INTERNATIONAL JOURNAL OF SOCIAL SCIENCES BULLETIN
ISSN: (E) 3007-1917 (P) 3007-1909
Volume 4, Issue 3, 2026

عالمی فلاحی تنظیموں کے طریقہ کار اور ان کی شفافیت: اسلامی نظامِ انفاق کی روشنی میں ایک اطلاقی جائزہ

Muhammad Ayub[*1], Muzammil Nawaz[2], Muhammad Fazal Rasool[3]

[*1,2,3]*M. Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Pakistan*

[*1]draybawan74@gmail.com, [2]malikmuzammilnawazkohawar@gmail.com,
[3]fazalrasoolm@gmail.com

Corresponding Author: *
Muhammad Ayub
DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.21701768

Received	Accepted	Published
17 January 2026	01 March 2026	12 March 2026

ABSTRACT

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ

"O you who have believed, do not invalidate your charities with reminders or injury."

Divine guidance places human dignity at the very heart of charity. The Prophetic mission established a welfare model where giving is an act of worship, deeply rooted in sincerity and the complete preservation of the recipient's honor. The contemporary humanitarian landscape presents a stark contrast to this prophetic ideal. International Non-Governmental Organizations (INGOs) currently dominate global relief efforts. They operate through complex corporate frameworks. While they provide essential material aid, their mechanisms are heavily marred by high administrative overheads, political conditionalities, and a secular approach that often reduces human suffering to a marketing tool. This study critically evaluates the operational transparency and systemic flaws of global welfare organizations. By conducting a qualitative and comparative analysis of modern aid structures against the Islamic system of Infaq (spending), the research explores how the global aid industry fosters dependency rather than true empowerment. The Qur'an establishes the ultimate standard for financial administration.

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

"Indeed, Allah commands you to render trusts to whom they are due."

Trust and transparency are not mere administrative policies in Islam; they are matters of faith. The findings demonstrate that the Islamic economic institutions of Zakat, Sadaqat, and Waqf offer a fundamentally different paradigm. Islamic jurisprudence strictly caps the wages of administrators (Aamilin) to ensure funds directly reach the marginalized. The historical institution of Hisbah provides a dual framework of spiritual and public accountability, addressing the core trust deficit found in modern NGOs. Aligning modern humanitarian efforts with Islamic administrative ethics presents a viable path forward. A genuine eradication of poverty requires dismantling neocolonial aid structures and embracing a model that prioritizes self-sufficiency, localized distribution, and the unwavering sanctity of the human soul.

Keywords: Islamic Infaq, International NGOs, Financial Transparency, Waqf, Humanitarian Ethics, Poverty Alleviation, Social Justice.

تعارف

انسانی معاشرے کی بقا اور ارتقاء کا انحصار ہمیشہ سے باہمی تعاون اور ایثار پر رہا ہے۔ جب انسان نے انفرادی ہمدردی کو منظم کر کے ایک ادارہ جاتی شکل دی تو فلاحی تنظیموں کا وجود عمل میں آیا۔ تاریخ کے ہر دور میں مصیبت زدہ انسانوں کی دادرسی کو اعلیٰ ترین اخلاقی قدر مانا گیا ہے۔

اسلام نے اس جذبے کو محض ایک سماجی رویہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے دین کی اساسی عبادات میں شامل کر دیا۔ خالقِ کائنات نے فلاح اور کامیابی کو براہِ راست خدمتِ خلق کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

"اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"[1]

اس آیتِ مبارکہ میں فعلِ خیر انسانیت کی بلا تفریق خدمت کا استعارہ ہے۔ معروف شاعر خواجہ میر درد نے اسلامی عمرانیات کے اسی بنیادی فلسفے کو اپنے کلام میں بڑی خوبصورتی سے پرویا ہے:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں[2]

بیسویں صدی میں ریاستوں کے روایتی کردار کے محدود ہونے کے بعد بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں (INGOs) اور اقوامِ متحدہ کے ذیلی اداروں نے عالمی سطح پر فلاح و بہبود کا بیڑا اٹھایا۔ یہ ادارے اربوں ڈالر کے بجٹ، جدید تکنیکی مہارت اور کثیر القومی افرادی قوت کے ساتھ قدرتی آفات، جنگوں اور غربت کے خلاف سرگرمِ عمل ہیں۔ ان مادی وسائل کے باوجود یہ کارپوریٹ فلاحی ڈھانچہ آج شدید اخلاقی اور انتظامی بحرانوں کا شکار ہے۔ ان تنظیموں کے کام کرنے کے انداز میں شفافیت کی ہولناک کمی، فنڈز کا غیر منصفانہ استعمال اور ڈونر ممالک کے سیاسی مقاصد کی تکمیل جیسے سنگین مسائل نے ان کی افادیت پر سوالیہ نشان کھڑے کر دیے ہیں۔

اسلامی نظامِ انفاق ایک ایسا شفاف، منصفانہ اور الہامی متبادل پیش کرتا ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور آخرت کے تصورِ محاسبہ پر کھڑی ہے۔ اسلام میں مالِ انفاق کو خالصتاً ایک امانت قرار دیا گیا ہے جس کا مقصد مخلوقِ خدا کی بے غرض خدمت ہے۔ موجودہ عالمی فلاحی ماڈل کا کارپوریٹ کلچر اخلاقی نگرانی کے بجائے محض کاغذی بیوروکریسی پر انحصار کرتا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد مروجہ بین الاقوامی فلاحی تنظیموں کے طریقہ کار، ان کی ساخت اور شفافیت کے فقدان کا علمی جائزہ لینا ہے تاکہ اسلامی نظامِ انفاق کے آفاقی اصولوں کی روشنی میں ایک پائیدار، شفاف اور انسان دوست فلاحی خاکہ مرتب کیا جا سکے۔

عالمی فلاحی اداروں کا ارتقاء اور طریقۂ کار

موجودہ دور کی عالمی فلاحی تنظیمیں کسی ایک واقعے کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طویل تاریخی ارتقاء کی پیداوار ہیں۔ انسانی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں رفاہی کام انفرادی ہمدردی یا مقامی مذہبی احکامات کے تابع تھے۔ اسلامی تاریخ میں رفاہِ عامہ کے لیے "وقف" نے صدیوں تک ایک خود مختار اور پائیدار ادارے کا کردار ادا کیا۔ مساجد، ہسپتال، تعلیمی مراکز اور مسافر خانے حکومتی خزانے کے بجائے عوام کے دیے گئے اوقاف سے چلتے تھے۔

جدید بین الاقوامی فلاحی تنظیموں کی تشکیل انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی۔ جنگِ سولفرینو (1859ء) کے خونریز مناظر نے سوئس تاجر ہنری ڈونانٹ کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے میدانِ جنگ میں زخمیوں کی بلا امتیاز طبی امداد کا تصور پیش کیا۔ اس کے نتیجے میں انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس (ICRC) کا قیام عمل میں آیا۔ اس پیش رفت نے انسانی ہمدردی کو ریاستی سرحدوں اور سیاسی وابستگیوں سے بالاتر کر کے ایک عالمی اصول کے طور پر متعارف کرایا[3]۔

بیسویں صدی میں ہونے والی دو عظیم عالمی جنگوں نے انسانی تاریخ کی بدترین تباہی مچائی۔ ان جنگوں کے نتیجے میں لاکھوں افراد بے گھر ہوئے اور قحط کا شکار بنے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ میں ایگلنٹائن جیب نے بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے "سیو دی چلڈرن" کی بنیاد رکھی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کی بحالی کے لیے اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے وجود میں آئے۔ اسی دور میں آکسفیم اور کیئر انٹرنیشنل جیسی بڑی غیر سرکاری تنظیمیں قائم ہوئیں۔ ان تنظیموں کے ارتقائی سفر کو بیان کرتے ہوئے معروف محقق ڈیوڈ کورٹین لکھتے ہیں:

"NGOs have evolved through different generations: from focusing purely on relief and welfare delivery to engaging in small-scale local development, and ultimately toward sustainable systems development and advocacy".

"غیر سرکاری تنظیموں نے مختلف نسلوں کے ذریعے ارتقاء طے کیا ہے: خالصتاً ہنگامی امداد اور فلاحی ترسیل پر توجہ مرکوز کرنے سے لے کر چھوٹے پیمانے کی مقامی ترقی میں شامل ہونے تک، اور بالآخر پائیدار نظاماتی ترقی اور وکالت (پالیسی سازی) کی جانب۔"[4]

ان اداروں کا موجودہ طریقۂ کار "پراجیکٹ سائیکل مینجمنٹ" پر مبنی ہے۔ کسی بھی خطے میں امدادی سرگرمیاں شروع کرنے سے پہلے وہاں کی سماجی، معاشی اور جغرافیائی صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ ترجیحات کا تعین کر کے قلیل المدتی اور طویل المدتی اہداف طے کیے جاتے ہیں۔ فنڈز کے حصول کے لیے روایتی مہمات سے لے کر ڈیجیٹل کراؤڈ فنڈنگ اور کارپوریٹ پارٹنرشپ تک کے جدید ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں۔ ڈونر کانفرنسوں میں اربوں ڈالر کے اعلانات ہوتے ہیں، جو بظاہر ایک مستحکم معاشی ڈھانچے کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

جدید فلاحی نظام کے اساسی نقائص

تنظیمی وسعت اور مالیاتی حجم میں اضافے نے عالمی فلاحی تنظیموں کو ایک "امدادی صنعتی کمپلیکس" میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ماڈل خدمت کے بجائے ایک پیشہ ورانہ اور منافع بخش صنعت کا روپ دھار چکا ہے۔ وہ تنظیمیں جن کا نصب العین مظلوم اور غریب ترین طبقات تک بلا تاخیر امداد پہنچانا تھا، اب خود ایک بھاری اور سست بیوروکریسی بن چکی ہیں۔

ان اداروں کا سب سے بڑا انتظامی سقم فنڈز کی ذیلی معاہدہ کاری کا پیچیدہ نظام ہے۔ بین الاقوامی ادارہ فنڈز وصول کرنے کے بعد اپنے بھاری انتظامی اخراجات منہا کرتا ہے اور پراجیکٹ کسی قومی سطح کی تنظیم کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ قومی تنظیم مزید کٹوتی کے بعد اسے مقامی تنظیم کو دیتی ہے۔ ہر سطح پر دفتری اخراجات کی کٹوتی کے بعد عطیہ دہندہ کا دیا ہوا ایک ڈالر جب اصل مستحق تک پہنچتا ہے تو اس کی مالیت محض چند سینٹ رہ جاتی ہے۔

انتظامی اور آپریشنل اخراجات، جنہیں "اوور ہیڈز" کہا جاتا ہے، ان تنظیموں میں بے پناہ حد تک بڑھے ہوئے ہیں۔ ان اخراجات میں مرکزی دفاتر کے شاندار کرائے، ملکی اور غیر ملکی افسران کی پرتعیش تنخواہیں، فرسٹ کلاس ہوائی سفر اور مہنگی گاڑیاں شامل ہیں۔ متعدد عالمی فلاحی تنظیموں کے اوور ہیڈ اخراجات ان کے مجموعی بجٹ کے پچاس سے اسی فیصد تک جا پہنچتے ہیں[5]۔ اس غیر منصفانہ تقسیم پر تنقید کرتے ہوئے علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے مادی اور کھوکھلے پن کی جو تصویر کشی کی تھی، وہ آج کے اس کارپوریٹ فلاحی نظام پر پوری اترتی ہے:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا[6]

اس غیر شفاف نظام کی سب سے بھیانک مثال 2010ء میں ہیٹی کے زلزلے کے بعد امریکن ریڈ کراس کا کردار تھا۔ اس نامور عالمی ادارے نے زلزلہ متاثرین کی بحالی اور گھروں کی تعمیر کے لیے عوام سے تقریباً نصف ارب ڈالر اکٹھے کیے گئے۔ پانچ سال گزرنے کے بعد امریکی صحافتی اداروں کی تحقیقات سے یہ ہولناک سچائی سامنے آئی کہ نصف ارب ڈالر کی اس خطیر رقم سے پورے ہیٹی میں صرف چھ مستقل مکانات تعمیر کیے گئے تھے۔ ادارے نے فنڈز کا ایک بہت بڑا حصہ اپنے امریکی عملے کی شاہانہ سفری مراعات اور اشتہاری مہمات پر اڑا دیا تھا[7]۔

اس مادی لوٹ مار کے برعکس اسلامی نظامِ انفاق میں مالیاتی دیانت داری کا بے نظیر تصور موجود ہے۔ شریعت نے زکوٰۃ کے مصارف میں "العاملین علیہا" (انتظامی عملہ) کا حصہ مقرر کر کے ان کی جائز تنخواہ کی راہ تو نکالی ہے، لیکن فقہائے اسلام نے اس کی انتہائی سخت حد بندی کی ہے۔ قاضی ابو یوسف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عمال کو ان کے کام کے بقدر اوسط خرچ کے مطابق دیا جائے، جو کسی بھی صورت میں جمع شدہ مال کے ایک قلیل حصے سے تجاوز نہ کرے تاکہ فقراء کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے[8]۔

عوامی اموال کے نگہبانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے احتساب کا کڑا ترین معیار قائم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فنڈز جمع کرنے والوں کے لیے کسی بھی قسم کے ذاتی مفادات، کمیشن یا تحائف وصول کرنے کو قطعی حرام قرار دیا۔ ابن اللتبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب زکوٰۃ جمع کرنے پر عامل مقرر کیا گیا اور انہوں نے واپسی پر کچھ مال بطور تحفہ اپنے لیے الگ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر انتہائی جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا:

مَا بَالُ العَامِلِ نَبْعَثُهُ، فَيَأْتِي يَقُولُ: هَذَا لَكُمْ وَهَذَا لِي أُهْدِيَ لِي، فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ، فَيَنْظُرَ يُهْدَى لَهُ أَمْ لاَ؟

"اس کارندے کا کیا حال ہے جسے ہم بھیجتے ہیں، تو وہ آ کر کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، پھر دیکھتا کہ اسے کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟"[9]

یہ نبوی فرمان آج کے کارپوریٹ فلاحی کلچر میں پائی جانے والی کک بیکس (Kickbacks) اور مراعات کی جڑ کاٹتا ہے۔ اسلامی قانون کی رو سے پبلک فنڈز میں معمولی خرد برد بھی غلول (خیانت) کے زمرے میں آتی ہے۔ جدید فلاحی اداروں میں کرپشن، فنڈز کی خرد برد، غیر شفاف آڈٹ سسٹمز اور سیاسی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے فنڈز کا مشروط استعمال وہ سنگین خامیاں ہیں جو انسانوں کی محرومی کو اپنا کاروبار بنا چکی ہیں۔ ان مسائل کا تدارک صرف اس صورت میں ممکن ہے جب عالمی ادارے اسلامی نظامِ انفاق کے عطا کردہ شفافیت اور کڑے احتساب کے ان ابدی ضابطوں کو اپنے تنظیمی ڈھانچے کا حصہ بنائیں۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

امدادی فنڈز کا استعمال

بین الاقوامی تعلقات اور عالمی سیاسی معیشت کا گہرا مطالعہ ایک تشویشناک حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔ عالمی طاقتوں اور بڑے فلاحی اداروں کی جانب سے فراہم کی جانے والی ہنگامی اور ترقیاتی امداد مکمل طور پر غیر جانبدار اور بے غرض نہیں ہوتی۔ ڈونر ممالک فلاحی فنڈز کو اپنی خارجہ پالیسی کے ایک مضبوط ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ غریب اور ترقی پذیر ممالک کو امداد کی فراہمی کے ساتھ ایسی کڑی سیاسی، معاشی اور ثقافتی شرائط نتھی کر دی جاتی ہیں جو ان کی قومی خود مختاری کو سلب کر لیتی ہیں۔ اس طرزِ عمل کو مفکرین نو آبادیاتی تسلط کی ایک جدید اور خاموش شکل قرار دیتے ہیں۔ عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ جیسے ادارے صحت اور تعلیم کے لیے اسی وقت گرانٹس جاری کرتے ہیں جب غریب ممالک ان کی مرضی کے مطابق اپنی منڈیوں کو لبرلائز کرنے اور ریاستی اداروں کی نجکاری کی شرائط تسلیم کرتے ہیں۔

مشہور ماہرِ معاشیات ڈیمبیسا مویو اس استحصالی امدادی ماڈل پر کڑی تنقید کرتی ہیں اور اسے افریقہ کی معاشی تباہی کا بنیادی سبب مانتی ہیں:

"Foreign aid has helped make the poor poorer, and growth slower. The insidious aid culture has left African countries more debt-laden, more inflation-prone, more vulnerable to the vagaries of the currency markets and more unattractive to higher-quality investment".

"غیر ملکی امداد نے غریبوں کو مزید غریب بنانے اور ترقی کو سست کرنے میں مدد کی ہے۔ امداد کی اس موذی ثقافت نے افریقی ممالک کو مزید مقروض، افراطِ زر کا شکار، کرنسی منڈیوں کے اتار چڑھاؤ کے سامنے کمزور اور اعلیٰ معیار کی سرمایہ کاری کے لیے غیر پرکشش بنا دیا ہے۔"[10]

یہ مشروط امداد ثقافتی یلغار کا بھی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ ترقی پذیر مسلم ممالک میں کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیمیں خاندانی منصوبہ بندی، انسانی حقوق اور تعلیم کے نام پر مقامی تہذیب و تمدن کے خلاف لبرل ایجنڈے نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب غریب قومیں محض اناج اور ادویات کے حصول کے لیے اپنی فکری اور نظریاتی آزادی کا سودا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں تو ان میں "انحصاریت کا عارضہ" پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ اپنی محنت اور ہنر پر بھروسہ کرنے کے بجائے ہمیشہ بیرونی خیموں اور امدادی قافلوں کی راہ تکتے رہتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے غیرتِ مندی کو کھو کر دوسروں کے احسان تلے دبنے کی اسی کیفیت کو ایک زبردست فکری تنبیہ کے ساتھ پیش کیا ہے:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر[11]

اسلامی نظامِ انفاق اس قسم کی سیاسی بلیک میلنگ اور معاشی جبر کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کی نگاہ میں کوئی بھی ایسا انفاق جو کسی انسان کی مجبوری کا استحصال کرے یا اس پر احسان جتا کر اسے ذہنی غلام بنائے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں باطل اور مردود ہے۔ اسلام فلاحی امداد کی روح کو خالصتاً "للّٰہیت" اور بے غرض انسانی ہمدردی کے ساتھ جوڑتا ہے۔ قرآنِ مجید نے سچے اہلِ ایمان کے انفاق کی تصویر کشی ان آفاقی الفاظ میں کی ہے:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا

"ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ کسی بدلے کے طالب ہیں اور نہ شکر گزاری کے۔"[12]

یہ قرآنی ضابطہ امداد دینے والے کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ مستحق سے کسی بھی قسم کی دنیاوی، سیاسی یا سماجی وفاداری کی توقع نہ رکھے۔ اسلامی ریاست یا ادارہ جب کسی پسماندہ خطے میں فلاحی کام کرتا ہے تو اس کا مقصد وہاں کے عوام کو اپنا مقروض بنانا نہیں ہوتا، بلکہ انہیں ان کے کٹھن حالات سے نکال کر عزت و وقار کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا ہوتا ہے۔

اسلامی نظامِ انفاق

کسی بھی فلاحی ماڈل کی کامیابی اور دیانت داری کا انحصار ان فلسفیانہ بنیادوں پر ہوتا ہے جن پر اس کی عمارت کھڑی کی گئی ہو۔ جدید سرمایہ دارانہ فلاحی نظریہ مادی افادیت پسندی پر قائم ہے جس میں انسان کو دولت کا مطلق مالک تصور کیا جاتا ہے اور خیرات کو محض ایک سماجی احسان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی نظامِ انفاق ایک گہرے مابعد الطبیعیاتی اور الہامی تصور پر استوار ہے۔ اسلام کے معاشی فلسفے کی ابتدا ہی اس عقیدے سے ہوتی ہے کہ کائنات اور اس کی تمام ثروت کا حقیقی مالک صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔ انسان کے پاس موجود مال و اسباب اس کی ذاتی تخلیق نہیں، بلکہ منشائے الٰہی کے تحت سونپی گئی ایک امانت ہیں۔

قرآنِ کریم نے انسان کی اس حیثیت کو "خلیفہ" اور "امین" کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس امانت میں اسی طرح تصرف کرے جس طرح حقیقی مالک کا حکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ

"اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (امین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔"[13]

جب انسان اپنے دل میں یہ پختہ یقین بٹھالیتا ہے کہ دولت کی ریل پیل اس کا ذاتی کمال نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کا ایک امتحان ہے، تو اس کے لیے اپنا مال غریبوں پر خرچ کرنا بوجھ نہیں رہتا۔ وہ جانتا ہے کہ مال نکالنے سے اس کی ملکیت کم نہیں ہو رہی، بلکہ وہ اصل مالک کی دی ہوئی چیز کو اسی کے بتائے ہوئے راستے پر لوٹا کر اپنا فرضِ بندگی ادا کر رہا ہے۔ عظیم شاعر مرزا اسد اللہ خان غالب نے اسی مابعد الطبیعیاتی حقیقت کو اپنے لازوال شعر میں سمو دیا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا[14]

اس فکری خاکے میں انفاق ایک مادی سرگرمی سے بلند ہو کر ایک روحانی عبادت کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ مال دار شخص جب محتاج کی مدد کرتا ہے تو وہ دراصل اپنے نفس کا تزکیہ کر رہا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں انفاق کو ایک ایسا سماجی رویہ بنا دیا جو انسان کو معاشی طور پر خوددار بننے پر بھی ابھارتا ہے اور لینے والے ہاتھ کے بجائے دینے والا ہاتھ بننے کی تلقین کرتا ہے۔ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ

"اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور (خرچ کرنے کی) ابتدا ان سے کرو جن کی کفالت تمہارے ذمے ہے۔"[15]

یہ نبوی تعلیم واضح کرتی ہے کہ اسلامی نظام کا حتمی ہدف معاشرے میں سائلین کی تعداد میں اضافہ کرنا نہیں ہے، بلکہ مستحقین کی ایسی معاشی پرورش کرنا ہے کہ وہ امداد لینے کے محتاج نہ رہیں اور مستقبل میں خود فلاحی عمل کا حصہ بن کر دوسروں کا سہارا بنیں۔

زکوٰۃ، صدقات اور اوقاف

اسلامی نظامِ انفاق محض اخلاقی ترغیبات کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ ایک انتہائی منظم، ہمہ گیر اور پائیدار ادارہ جاتی ڈھانچہ ہے۔ یہ ڈھانچہ تین مضبوط ستونوں پر کھڑا ہے: زکوٰۃ، صدقاتِ نافلہ، اور نظامِ وقف۔ ان تینوں کا متوازن امتزاج معاشرے میں فوری ہنگامی ضروریات سے لے کر طویل المدتی ترقیاتی منصوبوں تک ہر خلیج کو پر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

زکوٰۃ اسلام کا ایک لازمی اور فرضی معاشی ستون ہے۔ اس کی وصولی اور تقسیم کو کسی حاکم وقت یا فلاحی ادارے کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ خالقِ کائنات نے خود اس کے آٹھ قطعی مصارف مقرر فرما دیے ہیں۔ یہ تحدید اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ معاشرے کا کمزور ترین طبقہ کبھی بھی معاشی وسائل سے محروم نہ ہو۔ قرآنِ مجید میں واضح حکم موجود ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

"صدقات (زکوٰۃ) تو صرف فقراء اور مساکین کے لیے ہیں، اور ان پر مقرر کارکنوں کے لیے، اور جن کے دلوں کو مائل کرنا مقصود ہو، اور گردنیں چھڑانے میں، اور قرض داروں کے لیے، اور اللہ کی راہ میں، اور مسافر کے لیے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔"[16]

اس قرآنی ضابطے کے تحت زکوٰۃ کا مال مستحقین کا شرعی اور قانونی حق ہے۔ جب ہم زکوٰۃ کے ہمراہ صدقاتِ نافلہ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو یہ انفاق کے نظام میں غیر معمولی لچک پیدا کرتے ہیں۔ صدقات کا دائرہ کسی خاص نصاب یا متعین مصارف کا پابند نہیں، جس کی وجہ سے یہ فنڈز کسی بھی ناگہانی آفت، غیر مسلم اقلیتوں کی دادرسی اور فوری سماجی ضروریات کے لیے بلا تعطل استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

انفاق کی سب سے اعلیٰ اور پائیدار شکل "وقف" کا ادارہ ہے۔ وقف کے ذریعے اصل جائیداد یا سرمائے کو مستقل طور پر محفوظ کر دیا جاتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کو عوامی فلاح کے لیے جاری رکھا جاتا ہے۔ یہ وہ ادارہ ہے جس نے اسلامی تاریخ میں جامعات، ہسپتالوں، اور مسافر خانوں کو بغیر کسی سرکاری بجٹ کے صدیوں تک زندہ رکھا۔ دورِ حاضر کی تنظیمیں جو بیرونی فنڈنگ بند ہونے پر اپنے منصوبے ادھورے چھوڑ دیتی ہیں، ان کے لیے اسلامی وقف کا ماڈل معاشی آزادی اور بقا کا بہترین راستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس دائمی صدقے کی فضیلت کو امت کے ذہنوں میں راسخ فرمایا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ (وقف)، یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"[17]

وقف کے اس مسلسل اور نہ رکنے والے فلاحی دھارے کو ممتاز شاعر امجد اسلام امجد نے اپنے مخصوص استعاراتی انداز میں محبت کے دریا سے تشبیہ دی ہے، جو معاشرے کی پیاس بجھانے کے لیے ہر دم رواں رہتا ہے:

محبت ایسا دریا ہے کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا[18]

زکوٰۃ، صدقات اور اوقاف کا یہ مثلث معاشرے کو انحصار کی زنجیروں سے آزاد کر کے پائیدار معاشی خود مختاری کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر عالمی فلاحی تنظیمیں ان اسلامی ادارتی ڈھانچوں کی معاشی حرکیات کو اپنا لیں، تو وہ ڈونر ایجنسیوں کے محتاج ہونے کے بجائے ایک ایسا خود کفیل نظام تشکیل دے سکتی ہیں جو مستحقین کی عارضی مدد کے ساتھ ساتھ ان کے مستقل روزگار اور تعلیم و صحت کے پائیدار وسائل پیدا کرے۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں شفافیت

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی مالی معاملات کو جس درجے کی شفافیت اور کڑے احتساب کے تابع کیا گیا، اس کی کوئی دوسری مثال عالمی تاریخِ تمدن میں نہیں ملتی۔ فلاحی اور اجتماعی اموال کو محض انتظامی مسئلہ نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے دیانتِ کاملہ اور خوفِ آخرت کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ریاستی اور رفاہی اموال کی وصولی، حفاظت اور تقسیم کے لیے جو معیارات مقرر فرمائے، وہ آج کی جدید کارپوریٹ گورننس کی بنیادوں سے کہیں زیادہ سخت اور نتیجہ خیز ہیں۔ اموالِ زکوٰۃ و صدقات کو جمع کرنے والے عمال پر یہ واضح کر دیا گیا کہ عوامی فنڈز میں معمولی سی خرد برد بھی روزِ محشر عذاب کا سبب بنے گی۔ سیدنا عدی بن عمیرہ الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"ہم تم میں سے جسے کسی کام پر عامل مقرر کریں، پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے، جسے وہ قیامت کے دن لے کر حاضر ہو گا۔"[19]

یہ سخت گیر اصولی ضابطہ اس بات کو یقینی بناتا تھا کہ رفاہی رقوم کا انتظام کرنے والے افراد اپنے مناصب کا کوئی ذاتی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ خلافتِ راشدہ کے عہدِ مسعود میں اس احتسابی نظام کو باقاعدہ ایک مضبوط ریاستی محکمے کی شکل دے دی گئی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بیت المال کی شفافیت کا یہ عالم تھا کہ جو مال بھی مدینہ منورہ پہنچتا، اسے بلا تاخیر مستحقین میں برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ وہ فنڈز کو

بینکوں یا خزانوں میں ذخیرہ کر کے معاشی جمود پیدا کرنے کے سخت خلاف تھے۔ ان کے انتقال کے وقت **যখন** بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو وہاں محض ایک درہم کے سوا کچھ موجود نہ تھا، کیونکہ انہوں نے عوام کی امانتوں کو ان کے اصل حق داروں تک پہنچانے میں ایک لمحے کی بھی غفلت نہیں برتی تھی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اسلاف کی اسی معاشی دیانت اور شفافیت کا نقشہ اپنے کلام میں کھینچا ہے:

جو ہوتا تھا بیت المکاں میں فراہم
نہ رکھتے تھے اس کو بچا کر وہ اک دم[20]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مالیاتی حجم میں بے پناہ اضافہ ہوا، تو انہوں نے "دیوان" قائم کر کے تمام آمدن اور اخراجات کو دستاویزی شکل دی۔ ان کا احتسابی نظام اس قدر بے لاگ تھا کہ گورنروں اور عمالِ زکوٰۃ کی تقرری کے وقت ان کے تمام ذاتی اثاثوں کی فہرست تیار کی جاتی تھی۔ معزولی یا تبادلے کے وقت ان اثاثوں کا دوبارہ آڈٹ ہوتا، اور اگر کسی گورنر کی دولت میں اس کے جائز ذرائعِ آمدن سے زیادہ اضافہ پایا جاتا، تو اس سے بازپرس کی جاتی اور وہ اضافی مال بحقِ بیت المال ضبط کر لیا جاتا[21]۔ اس کڑے احتساب نے اسلامی فلاحی نظام کو اقربا پروری، کک بیکس اور مفادات کے تصادم سے مکمل طور پر محفوظ رکھا۔

مقاصدِ شریعہ کی روشنی میں انسانی تکریم اور عزتِ نفس کا تحفظ

کوئی بھی فلاحی سرگرمی اس وقت تک اپنے حقیقی ثمرات ظاہر نہیں کر سکتی جب تک وہ انسان کے مادی پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی اور نفسیاتی تکریم کا بھی خیال نہ رکھے۔ اسلامی فقہ اور مقاصدِ شریعہ کے جلیل القدر مفکرین، بالخصوص امام غزالی اور امام شاطبی نے شریعت کے مقاصد میں "حفظِ نفس" کو بنیادی درجہ دیا ہے۔ حفظِ نفس محض جسمانی بقا کا نام نہیں، بلکہ اس میں انسان کی آبرو، اس کی عزتِ نفس اور اس کے سماجی وقار کی حفاظت بھی پوری طرح شامل ہے۔

معاصر عالمی فلاحی تنظیموں کے طریقۂ کار پر سب سے گہری تنقید یہ کی جاتی ہے کہ وہ فنڈ ریزنگ کے لیے پسماندہ طبقات کی مجبوریوں کا بے دردی سے استحصال کرتی ہیں۔ اشتہاری مہمات میں قحط زدہ بچوں، بیماروں اور بے بس عورتوں کی تصاویر کو جس انداز میں پیش کیا جاتا ہے، وہ انسانیت کی تذلیل کے مترادف ہے۔ اس عمل کو جدید سماجیات میں "غربت کی نمائش" (Poverty Porn) کہا جاتا ہے، جہاں انسان کے درد کو محض عطیات کھینچنے کا ایک آلہ بنا دیا جاتا ہے۔ معروف بین الاقوامی محقق مائیکل بارنیٹ اس استحصالی رویے کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The humanitarian industry sometimes risks transforming the suffering of the vulnerable into a marketable commodity to secure donor funding".

"انسانی ہمدردی کی صنعت بعض اوقات عطیہ دہندگان کی فنڈنگ حاصل کرنے کے لیے کمزوروں کے مصائب کو ایک قابلِ فروخت شے میں تبدیل کرنے کا خطرہ مول لیتی ہے۔"[22]

اسلام کا نظامِ انفاق اس قسم کی کسی بھی اخلاقی پستی کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔ خالقِ کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کی توقیر کو ہر شے پر مقدم رکھا ہے۔ قرآنِ حکیم میں انسان کی اس آفاقی تکریم کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ

"اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا۔"

23

اس الہامی ضابطے کے تحت ضرورت مند کو دیا جانے والا مال اس پر کوئی احسان نہیں، بلکہ یہ اس کا وہ شرعی حق ہے جو اللہ نے صاحبِ ثروت کے مال میں مقرر کیا ہے۔ فلاحی امداد کی تقسیم میں مستحق کی پردہ پوشی اور اس کی شرمندگی کو بچانے کے لیے اسلام نے پوشیدہ صدقہ دینے کی بھرپور حوصلہ افزائی کی ہے۔ قرآنِ مجید میں اس اخلاقی نزاکت کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے:

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

"اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے، اور اگر تم انہیں چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔"[24]

پوشیدہ انفاق کا یہ حکم اس بات کی ضمانت ہے کہ امداد لینے والے کے دل میں احساسِ کمتری پیدا نہ ہو اور وہ معاشرے کا ایک فعال اور باوقار شہری بن کر اپنی زندگی گزار سکے۔ انسان کی اسی عظمت اور قدر و قیمت کو میر تقی میر نے اپنے کلام میں ایک صوفیانہ گہرائی کے ساتھ اجاگر کیا ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے[25]

جب فلاحی ادارے اس مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقی فریم ورک کے تحت کام کرتے ہیں، تو امداد کی تقسیم ایک خشک دفتری کارروائی نہیں رہتی، بلکہ یہ انسانوں کے درمیان محبت، مواخات اور روحانی تعلق کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسلامی نظامِ انفاق کی یہ درخشاں خصوصیت ہے کہ وہ مادی غربت مٹانے کے سفر میں غریب کی خودداری اور اس کے انسانی وقار کو ایک لمحے کے لیے بھی نیلام نہیں ہونے دیتا۔

عصرِ حاضر کے فلاحی اداروں کے لیے اسلامی انتظامی اصول

دنیا بھر میں پھیلا ہوا فلاحی سرگرمیوں کا موجودہ نیٹ ورک بے پناہ وسائل کے باوجود ایک گہرے تنظیمی اور انتظامی بحران کا سامنا کر رہا ہے۔ اس بحران کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں کا احتسابی ڈھانچہ اوپر سے نیچے کی طرف (Top-down) سفر کرتا ہے۔ فلاحی تنظیمیں خود کو صرف ان حکومتوں اور بڑے مخیر اداروں کے سامنے جوابدہ سمجھتی ہیں جو انہیں فنڈز فراہم کرتے ہیں۔ اس نظام میں ان پسماندہ انسانوں کی طرف جوابدہی کا کوئی مؤثر تصور موجود نہیں جن کے نام پر یہ اربوں ڈالر اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ معروف محقق النور ابراہیم اس خامی کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"Accountability in the nonprofit sector is often skewed towards donors, leaving beneficiaries with little power to hold NGOs responsible".

"غیر منافع بخش شعبے میں احتساب کا جھکاؤ اکثر عطیہ دہندگان کی جانب ہوتا ہے، جس کے باعث مستحقین کے پاس غیر سرکاری تنظیموں کو جوابدہ ٹھہرانے کا بہت کم اختیار رہ جاتا ہے۔"[26]

اسلامی نظامِ انفاق اس انتظامی عدم توازن کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ شریعت کی رو سے فلاحی رقوم کوئی تجارتی سرمایہ نہیں بلکہ ایک مقدس امانت ہیں، اور اس امانت کا حقیقی مالک وہ غریب اور محتاج طبقہ ہے جس کے لیے یہ فنڈز جمع کیے گئے ہیں۔ اس انتظامی خلا کو پُر کرنے کے لیے جدید فلاحی اداروں کے اندر "ادارۂ حسبہ" کی طرز پر ایک خود مختار نگرانی کا نظام قائم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اسلامی تاریخ میں محتسب کا کام صرف بازاروں کی نگرانی نہیں تھا، بلکہ وہ عوامی اور رفاہی اموال کی منصفانہ تقسیم کا بھی کڑا جائزہ لیتا تھا۔ معاصر فلاحی تنظیمیں اگر اپنے اندر ایک آزاد شرعی نگران بورڈ تشکیل دیں، تو ڈونرز کی من مانی شرائط اور فنڈز کے غیر متعلقہ استعمال کو روکا جا سکتا ہے۔

ان اداروں میں انتظامی اخراجات کی بھرمار ایک اور سنگین مسئلہ ہے۔ افسران کی بھاری تنخواہوں اور پر تعیش دفتری اخراجات نے فلاحی کاموں کو ایک منافع بخش پیشے میں بدل دیا ہے۔ میرزا اسد اللہ خان غالب نے ظاہر اور باطن کے اسی تضاد پر کیا خوب تبصرہ کیا ہے:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا[27]

شریعتِ اسلامیہ نے زکوٰۃ اور صدقات کی وصولی پر مامور عملے یعنی "العاملین علیہا" کے لیے ایک خاص حد تک معاوضہ لینے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ معاشی فکر سے آزاد ہو کر دیانت داری سے کام کر سکیں، لیکن فقہاء نے اس کی کڑی حد بندی کی ہے۔ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک کسی بھی صورت میں یہ دفتری اور انتظامی اخراجات کل فنڈز کے آٹھویں حصے (یعنی ساڑھے بارہ فیصد) سے تجاوز نہیں کرنے چاہئیں[28]۔ اگر دورِ حاضر کی تنظیمیں اس شرعی تناسب کو اپنا لیں، تو عطیات کا ایک بہت بڑا حصہ بیوروکریسی کی نذر ہونے کے بجائے براہِ راست ان مصیبت زدہ انسانوں تک پہنچے گا جو اس کے اصل حق دار ہیں۔

شفافیت اور دستاویزی نظم کا اشتراک

مالیاتی امور میں کسی بھی قسم کے ابہام کو دور کرنے کے لیے اسلام نے زبانی دعووں کے بجائے تحریری دستاویزات اور گواہوں کا ایک انتہائی محکم نظام پیش کیا ہے۔ قرانِ مجید کی سب سے طویل آیت، جسے "آیۃ المداینہ" کہا جاتا ہے، مالی معاملات کو شفاف اور دستاویزی شکل میں لانے کا ایک ابدی ضابطہ فراہم کرتی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشادِ گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

"اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے لیے آپس میں ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔"[29]

جب دو انسانوں کے درمیان ہونے والے عام لین دین کو قلم بند کرنے کی اس قدر سخت تاکید ہے، تو وہ اموال جو لاکھوں انسانوں کی فلاح کے لیے جمع کیے گئے ہوں، ان کی دستاویز سازی اور آڈٹ کی اہمیت بدرجہ اولیٰ بڑھ جاتی ہے۔ آج کی جدید ٹیکنالوجی، بالخصوص بلاک چین اور اسمارٹ کانٹریکٹس، قرآنی تصورِ شفافیت کو عملی جامہ پہنانے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں۔ بلاک چین پر محفوظ کیا گیا ڈیٹا ناقابلِ تبدیلی ہوتا ہے، جس میں کسی قسم کی خرد برد یا انسانی ہیر پھیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔

جب ایک فلاحی ادارہ اس ڈیجیٹل نظام کو اپناتا ہے تو عطیہ دینے والے شخص کو اپنے موبائل اسکرین پر بالکل واضح طور پر نظر آتا ہے کہ اس کے دیے گئے فنڈز دنیا کے کس خطے میں اور کس مخصوص مستحق پر خرچ ہوئے ہیں۔ جدید مالیاتی ٹیکنالوجی کے ذریعے درمیانی کارندوں (Middlemen) کا کردار ختم ہو جاتا ہے، جس سے امدادی رقوم بغیر کسی کٹوتی کے براہِ راست ضرورت مندوں کے ڈیجیٹل والٹس میں منتقل کی جا سکتی ہیں۔ یہ دستاویزی اور ڈیجیٹل شفافیت دراصل اسلامی امانت داری کی وہ عصری شکل ہے جو کسی بھی فلاحی ادارے کو مالیاتی غلول (خیانت) سے بچاتی ہے اور عوام کے متزلزل اعتماد کو دوبارہ استوار کرتی ہے۔

خلاصہ بحث

زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں عالمی فلاحی تنظیموں کے طریقہ کار اور ان کی شفافیت کا اسلامی نظامِ انفاق کے تناظر میں تفصیلی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس عمیق تحقیق اور تقابلی مطالعے کے بعد درج ذیل اہم اور بنیادی نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئے ہیں:

- مروجہ عالمی فلاحی تنظیمیں ڈونرز کے دباؤ، بھاری انتظامی اخراجات اور سیاسی و ثقافتی مشروطیت جیسے سنگین اساسی نقائص کا شکار ہیں۔

- اسلامی نظامِ انفاق زکوٰۃ، صدقات اور وقف کے ذریعے ایک ایسا پائیدار اور شفاف معاشی ڈھانچہ پیش کرتا ہے جو بیرونی امداد اور قرضوں پر انحصار ختم کر دیتا ہے۔
- جدید فلاحی اداروں میں احتساب محض کاغذی اور ظاہری حد تک محدود ہے، جبکہ اسلام باطنی تقویٰ اور ظاہری نگرانی (حسبہ) پر مبنی دوہرا اور مضبوط احتسابی نظام فراہم کرتا ہے۔
- مغربی فلاحی مہمات میں فنڈز کے حصول کے لیے مستحقین کی غربت اور بے بسی کی نمائش کی جاتی ہے، جو اسلامی نظریۂ تکریمِ انسانیت کے صریحاً خلاف ہے۔
- اسلامی فلاحی نظام میں امداد کا اصل مقصد محض عارضی ریلیف نہیں، بلکہ غریب کو معاشی طور پر خود کفیل بنا کر پیداواری عمل کا حصہ بنانا ہے۔
- زکوٰۃ کے مصارف کا حتمی قرآنی تعین فنڈز کو اقربا پروری اور صوابدیدی اخراجات سے بچا کر صرف اور صرف حقیقی ضرورت مندوں تک پہنچانے کی مکمل ضمانت ہے۔

سفارشات و تجاویز

اس تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں فلاحی اداروں کی کارکردگی اور شفافیت کو بہتر بنانے کے لیے درج ذیل عملی اور تحقیقی سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- فلاحی تنظیموں میں مالیاتی اور اخلاقی شفافیت کو یقینی بنانے کے لیے مستقل اور خود مختار "شرعی نگران بورڈز" کا قیام عمل میں لایا جائے۔
- انتظامی اور دفتری اخراجات کو شریعت کے مقرر کردہ 'عاملین علیہا' کے اصول کے تحت سختی سے محدود کیا جائے تاکہ عطیات کا زیادہ سے زیادہ حصہ مستحقین تک پہنچے۔
- امدادی فنڈز کے حصول کے لیے مستحقین کی تصاویر اور مجبوری کی تشہیری نمائش پر مکمل پابندی عائد کی جائے اور ان کی عزتِ نفس کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔
- فلاحی اداروں کے مالیاتی نظام کو بلاک چین جیسی جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے منسلک کیا جائے تاکہ فنڈز کی ترسیل میں خرد برد کا خاتمہ ہو۔
- بیرونی فنڈنگ پر انحصار ختم کرنے کے لیے مسلم معاشروں میں 'کیش وقف' اور پیداواری اوقاف کے جدید ماڈلز کو ریاستی سطح پر فروغ دیا جائے۔
- مستحقین کو مستقل محتاج بنائے رکھنے کے بجائے بلاسود قرضِ حسنہ اور فنی تربیت کے ذریعے ان کی پائیدار معاشی بحالی کے ٹھوس منصوبے ترتیب دیے جائیں۔
- مستقبل کے محققین کے لیے تجویز ہے کہ وہ عالمی فلاحی اداروں کے ساتھ اسلامی فنڈز کے قانونی انضمام کے حوالے سے مزید عملی اور تکنیکی تحقیقات کریں۔

حوالہ جات

[1] الحج، 77:22

[2] درد، خواجہ میر، دیوانِ درد (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1962ء)، 45

[3] Davies, Thomas, NGOs: A New History of Transnational Civil Society (London: Hurst & Company, 2013), 45–50

[4] Korten, David C., Getting to the 21st Century: Voluntary Action and the Global Agenda (West Hartford: Kumarian Press, 1990), 115

[5] Barnett, Michael, Empire of Humanity: A History of Humanitarianism (Ithaca: Cornell University Press, 2011), 180–184

[6] اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی، 1990ء)، 145

[7] Grassley, Chuck, Senatorial Inquiry Report on the American Red Cross Haiti Response (Washington DC: United States Senate, 2016), 112–115

[8] ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج (قاہرہ: المطبعۃ السلفیہ، 1396ھ)، 80

[9] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، جلد 9، صفحہ 63، کتاب الاحکام، باب محاسبۃ العاملین، حدیث: 7174

[10] Moyo, Dambisa, Dead Aid (New York: Farrar, Straus and Giroux, 2009), 47

[11] اقبال، محمد، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی، 1990ء)، 380

[12] الانسان، 9:76

[13] الحدید، 7:57

[14] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1982ء)، 45

[15] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، جلد 2، صفحہ 112، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقۃ الا عن ظہر غنی، حدیث: 1427

[16] التوبۃ، 60:9

[17] مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1955ء)، جلد 3، صفحہ 1255، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، حدیث: 1631

[18] امجد، امجد اسلام، فشار (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1982ء)، 56

[19] مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1955ء)، جلد 3، صفحہ 1465، کتاب الامارۃ، باب تحریم ہدایا العمال، حدیث: 1833

[20] حالی، الطاف حسین، مسدسِ حالی (لاہور: تاج کمپنی، 1970ء)، 85

[21] ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج (قاہرہ: المطبعۃ السلفیہ، 1396ھ)، 122

[22] Barnett, Michael, Empire of Humanity: A History of Humanitarianism (Ithaca: Cornell University Press, 2011), 165

[23] الاسراء، 70:17

[24] البقرۃ، 271:2

[25] میر، محمد تقی، کلیاتِ میر (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1968ء)، 120

[26] Ebrahim, Alnoor, Charities by Numbers: The Accountability of Global NGOs, Cambridge: Cambridge University Press, 2010, 85

[27] غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1982ء، 65

[28] القرضاوی، یوسف، فقہ الزکاۃ، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1973ء، جلد 2، صفحہ 621

[29] البقرۃ، 282:2